باسمہ تعالیٰ

طعن

طعن کی لغوی تعریف:

طعن کے لغوی ''الزام لگانا'' کے ہیں اور اصل میں طعن نیزہ مارنے کو کہتے ہیں۔ جب کسی نے کسی پر کوئی الزام لگایا تو گویا اس نے اس کو نیزہ مار دیا۔

طعن کی اصطلاحی تعریف:

مصطلحِ حدیث میں طعن کہتے کہ جب حدیث میں راوی، شیخ یا کسی اور کی طرف سے کوئی خلل سامنے آ جائے۔ تو اس کو ''طعن'' کہتے ہیں۔

کسی بھی روایت کے بارے میں جب کوئی طعن سامنے آتا ہے تو بعض اوقات یہ طعن خود راوی کی طرف سے ہوتا ہے اور بعض اوقات کسی اور کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ شخص یا تو صحابی ہوتا ہے یا غیر صحابی ہوتا ہے۔ تو ابتداء کل تین صورتیں ہوگئیں:

ابتداءِ طعن کی اقسام اور اس کی تفصیل:

۱......طعن راوی کی طرف سے ہو۔

۲......طعن غیر راوی کی طرف سے ہو اور وہ غیر صحابی ہو۔

۳......طعن غیر راوی کی طرف سے اور وہ غیر صحابی ہو۔

طعن اگر راوی کی طرف سے ہو تو اس میں دو صورتیں ہیں:

۱......بعض اوقات انکار کی صورت میں ہوگا۔ ۲......بعض اوقات عمل کی صورت میں ہوگا۔

اگر انکار کی صورت میں ہو تو انکار کی بھی دو قسمیں ہیں:

انکارِ توقف اور انکارِ جحود کی تفصیل:

۱......انکارِ جحود یعنی صراحتہً مروی عنہ، راوی سے یہ کہے کہ تم نے جھوٹ بولا، میں نے تو ایسی کوئی حدیث بیان نہیں کی۔

۲......انکارِ توقف یعنی مروی عنہ، راوی سے یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں نے ایسی کوئی حدیث بیان کی ہے۔

ہماری عام گفتگو میں بھی جب کوئی آدمی کسی سے یہ کہے کہ آپ نے یہ بات کہی ہے، تو اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱......وہ آدمی تصدیق کرے کہ ہاں میں نے یہ بات کہی ہے۔ یہ تو واضح ہے کہ صدق ہے۔

۲......ایک صورت یہ ہے کہ وہ شخص اس بات سے بالکل انکار کردے کہ بھائی یہ کیا بول رہے ہو، تم جھوٹ بول رہے

ہو، میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ اس کو انکارِ جحود کہتے ہیں۔

انکارِ جحود کا حکم:

جہاں پر شیخ یا مروی عنہ راوی سے کہے کہ تم نے جھوٹ بولا میں نے ایسی کوئی حدیث نہیں سنائی، تو یہ انکارِ جحود ہے اور ایسی صورت میں وہ حدیث ساقط ہو جاتی ہے اور قابلِ حجت نہیں رہتی۔

۳......لیکن اگر مروی عنہ یا شیخ راوی سے یہ کہے کہ مجھے تو یہ حدیث یاد نہیں کہ میں نے روایت کی ہے۔ تو یہ انکارِ توقف ہے۔ یعنی نہ انکار کیا اور نہ اقرار کیا۔

انکارِ توقف کا حکم:

انکارِ توقف کے حکم میں محدثین کا اختلاف ہے کہ اگر کسی حدیث کے مروی عنہ راوی سے انکارِ توقف کرے تو ایسی حدیث قابلِ حجت ہے یا نہیں؟ بعض نے ایسی احادیث کو قبول کیا ہے اور بعض نے قبول نہیں کیا ہے۔ ہمارے یہاں یعنی حنفیہ اس کو قبول کرتے ہیں۔

یہ بات تو نکار کی تھی کہ شیخ انکارِ توقف جحود کر دے یا انکارِ توقف کر دے۔

روایتِ حدیث کے بعد راوی کے عمل کی تفصیل:

حدیث کی روایت سے قبل اگر راوی کا کوئی عمل اس حدیث کے خلاف تھا، تو اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ یہ طعن نہیں ہے۔

لیکن حدیث روایت کرنے کے بعد شیخ یا راوی کے عمل میں دو صورتیں ہیں:

۱......ایک صورت یہ ہے کہ اس حدیث کے خلاف عمل کرے۔

۲......دوسری صورت یہ ہے کہ اس پر عمل نہ کرے۔ بلکہ چھوڑ دے۔

مثلاً: راوی نے ایک حدیث نقل کی اور کہا کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا، اس کے بعد عمل اس کے خلاف کیا۔

اس کی پھر دو صورتیں ہیں:

۱......ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ بات یقینی ہے کہ اس نے حدیث کے برخلاف کیا، یعنی حدیث کے معنی میں ایک ہی احتمال تھا، کسی اور معنی کا احتمال تھا ہی نہیں۔

۲......۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس حدیث میں دو احتمال ہو سکتے تھے، تو اس راوی نے ایک احتمال پر عمل کیا اور دوسرے احتمال کو چھوڑ دیا۔

اگر اختلاف یقینی ہو۔مثال مع تمہید

مثلاً نکاح میں ولی کا مشہور مسئلہ ہے۔ایک ''ولی فی النکاح'' ہے اور ایک ''ولی فی المال'' ہے۔

باپ کا انتقال ہوگیا، بچہ یتیم رہ گیا، تو اب ولایت کس کو حاصل ہوگی، اس کے مال کی حفاظت اور نگہداشت کون کرے گا، یا اس بچہ کے مال میں سے اس بچہ پر کون خرچ کرے گا۔اس کو ''ولی فی المال'' کہتے ہیں۔

مال کے ولی میں بہت سختی ہے، بچہ کا ولی فی المال یا تو باپ ہوگا یا دادا یا ان دونوں کا وصی یا پھر قاضی۔بس، اگر کہیں کوئی بھی نہ ہو تو وہاں ولی ہے ہی نہیں۔تو ایسی صورت میں خاندان اور محلّہ کے اہل بصیرت اپنی طرف سے بچہ کے چچا، تایا، یا ماں وغیرہ میں سے اس شخص کو ولی مقرر کریں گے جو اس بچہ کے حق میں خیر خواہ ہو۔یہ نابالغ بچے اور مجنون کے حق میں ہے۔

اور ایک ''ولی فی النکاح'' ہے کہ نکاح میں اجازت کس کی معتبر ہوتی ہے، جیسے نابالغہ لڑکی یا لڑکا ہے۔

ولی فی النکاح میں یہ دیکھا جائے گا کہ اگر لڑکا یا لڑکی بالغ ہے تو اس کو ولی کی کوئی ضرورت نہیں اور شرعی نقطۂ نظر سے کم سے کم حد لڑکی کے لئے ۹/نو سال ہے اور لڑکے کے لئے بارہ/۱۲ سال، اس سے قبل ان کا بلوغت کا دعویٰ قابلِ قبول نہیں۔اور زیادہ سے حد لڑکی کے لئے تیرہ/۱۳ سال اور لڑکے کے لئے پندرہ/۱۵ سال ہے،۔۱۳ اور ۱۵ سال سے قبل اگر بلوغت کی کوئی علامت ظاہر ہوجائے تو شرعاً بالغ سمجھا جائے گا۔بعض ائمہ کا قول ۱۸ سال کا بھی ہے۔

ہمارے یہاں قانون میں بلوغت کی عمر ۱۸ سال ہے۔اگر حکومت چار مذاہب میں کوئی فیصلہ کسی ایک مذہب کے مطابق کرلے تو وہ واجب العمل ہے۔اس کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا، یہ الگ بات ہے کہ جس ملک میں جس مسلک والوں کی میجورٹی ہو تو قانون اس کے مطابق ہونا چاہیے۔تو قانونی مسئلہ میں تو ہم ۱۸ سال لے سکتے ہیں، لیکن شرعی احکام کے لئے ۱۸ سال کا انتظار نہیں کیا جائے گا، مثلاً نماز روزہ وغیرہ۔

تو اس مندرجہ بالا تفصیل کے ساتھ جو بالغ ہو تو وہ خواہ لڑکا ہو یا لڑکی وہ اپنا نکاح خود کرسکتی ہے۔اس کو ولی کی ضرورت نہیں ہے۔ہاں! لڑکی کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ جہاں نکاح کر رہی ہے وہ اس کا "کفؤ" ہو یعنی اس کا ہم پلہ ہو۔اور یہ ہم پلہ ہونا تین چیزوں میں ہے۔۱......پیشہ۔۲......مال۔۳......دینداری۔

اگر تو وہ لڑکا جوان تین چیزوں میں اس لڑکی کا ہم پلہ ہو تو بس اب یہ نکاح ہوگیا، اب لڑکی کے پاس کوئی آپشن نہیں ہے کہ وہ اس نکاح کو ختم کرے۔جب تک کہ لڑکا اس کو طلاق نہ دے یا شوہر کی رضامندی سے وہ خلع نہ لے۔یکطرفہ عدالتی خلع معتبر نہیں۔

لیکن اگر وہ لڑکا اس لڑکی کا ''کفو'' یعنی ان مندرجہ بالا تینوں چیزوں میں اس لڑکی کا ہم پلہ نہیں تھا، تو ایسی صورت میں یہ نکاح ہوا ہی نہیں۔اور ازدواجی تعلقات بدکاری میں کے زمرے میں ہونگے۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ بالغ لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے۔

لیکن اگر وہ نکاح ولی کی اجازت سے ہو تو ولی کی اجازت سے نکاح ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ ''کفوٗ'' میں ہو یا ''غیر کفوٗ'' میں۔ البتہ غیر کفوٗ کی صورت میں وہ قاضی کے پاس جا کر اپنا نکاح ختم کرا سکتی ہے۔ اس کے پاس یہ آپشن ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ کفائت میں لڑکے کو لڑکی کے ہم پلہ ہونا لازمی ہے لڑکی خواہ کچھ بھی ہو۔

اصل مقصود:

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

"ایما امرأة نکحت بدون اذن ولیها فنکاحها باطل باطل باطل"

ترجمہ...... یعنی جس عورت نے ولی کے بغیر اپنا نکاح کیا، اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔

یہ حدیث ہے، اور اس کی راوی حضرت عائشہ ہیں۔ لیکن پھر خود حضرت عائشہ نے اپنی بھتیجی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی بیٹی کا نکاح کرایا، جبکہ حضرت عبدالرحمٰن جو حضرت عائشہ کے بھائی ہیں، وہ موجود نہیں تھے، تو عمل اپنی اس روایت کردہ حدیث کے خلاف کر دیا۔ اور اس نکاح کو بعد میں ختم بھی نہیں کیا گیا۔ چونکہ عمل خلاف کر لیا۔ لہٰذا حنفیہ نے اس مذکورہ حدیث کو نہیں لیا۔ یہ حدیث ساقط ہوگئی۔

اب حضرت عائشہ جو اس حدیث کی راوی ہیں انہوں نے اپنی حدیث کے خلاف عمل کر لیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نعوذ باللہ انہوں نے نبی کے حکم کے خلاف عمل کیا۔ اس کی کوئی نہ کوئی تو وجہ ہوگی۔ اور وہ وجہ یہ ہے ایک وقت میں حالات کہ تحت کوئی حکم ہوتا ہے اور پھر وہ منسوخ ہو جاتا ہے۔ یہ مثال ہے اس بات کی کہ اس حدیث میں کوئی اور احتمال نہیں، اور اختلاف یقینی ہے۔

اسی طرح حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ رفع یدین سے متعلق حدیث روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے رفعِ یدین کیا۔ یہ عبادلہ ثلاثلہ میں سے ہیں۔ لیکن ان کے شاگرد حضرت مجاہد رحمہ اللہ جو بہت بڑے مفسر اور تابعی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے دس سال حضرت ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، لیکن وہ صرف تکبیرِ اولیٰ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔''

اب حضرتِ ابن عمرؓ نے اپنی اس روایت کردہ حدیث پر عمل نہیں کیا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ شروع میں رفعِ یدین کا حکم تھا، جو بعد میں منسوخ ہو گیا۔ اور بھی اس طرح کے کئی احکامات ہیں۔

محتمل المعانی حدیث کی روایت کے بعد عمل کی مثال:

لیکن اگر کسی حدیث میں دو احتمال ہوں۔ جیسے:

المتبایعان بالخیار مالم یتفرقا.

ترجمہ......’’بائع اور مشتری دونوں کو خیارِ مجلس حاصل ہے جب تک الگ الگ نہ ہوں‘‘

یعنی بائع اور مشتری کے درمیان ایجاب قبول کا معاملہ ہو رہا ہے، خالد نے زید سے کہا کہ میں تم کو یہ موبائل اتنے میں فروخت کرتا ہوں، اب زید کو اختیار ہے چاہے تو قبول کرے اور چاہے تو نہ کرے۔ اگر قبول کرلیا تو بیع مکمل ہوگئی۔

لیکن اگر قبول نہیں کیا اور مجلس برخاست ہوگئی، تو خالد یا زید دونوں میں سے کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ بیع تو مکمل ہوگئی تھی، وغیرہ

لیکن ایک مجلس میں ایجاب وقبول ہوگیا تھا، اب خریدار یا بائع محض پشیمان ہوکر یہ کہے کہ میں نہیں خریدتا یا میں نہیں فروخت کرتا اب پشیمان ہے، تو احناف کے نزدک یہ اجازت مشتری کو نہیں ہے۔ الا یہ کہ باہمی رضامندی سے معاملہ ختم ہوجائے گا۔ اس کو ’’اِقالہ‘‘ کہتے ہیں۔

البتہ امام شافعیؒ کے یہاں جب تک یہ مجلس قائم ہے، بائع یا مشتری انکار کرسکتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں خیارِ مجلس، یعنی بائع اور مشتری جب تک الگ الگ نہ ہوں تو ان کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے۔

اب ’’**مالم یتفرقا**‘‘ (یعنی الگ الگ ہونا) میں میں دو احتمال ہیں:

۱...... **تفرق بالأبدان**

۲...... **تفرق بالأقوال.**

تفرق بالأبدان کا مطلب تو واضح ہے کہ جسمانی اعتبار سے دونوں جدا ہوجائیں اور مجلس ختم ہوجائے۔

تفرق بالأقوال کا مطلب یہ ہے کہ بائع نے آفر تو دی لیکن مشتری نے قبول نہیں کی، تو یہ تفرق بالأقوال ہے۔ تو حنفیہ نے تفرق بالأقوال کو لیا۔ اور شافعیہ نے تفرق بالأبدان کو لیا۔

اور حضرت ابن عمر کا مسلک خود تفرق بالأبدان کا ہے۔ تو خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں دو احتمال تھے ان میں سے ایک مجتہد نے اپنے اجتہاد کی روشنی میں ایک احتمال پر عمل کیا جبکہ دوسرے نے نہیں کیا۔

اگر طعن غیر راوی کی طرف سے ہو تو اس کی تفصیل:

طعن اگر غیر راوی ہو تو وہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ صحابی ہوگا، یا صحابی نہیں ہوگا۔

اگر تو وہ صحابی ہو تو وہ دو حال سے خالی نہیں: یا تو وہ حدیث کسی واقعہ ظاہرہ سے متعلق ہوگی یا غیر ظاہرہ سے متعلق ہوگی۔

واقعہ ظاہرہ کی مثال:

حضرت عبادہ بن صامتؓ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ:

’’**البکر بالبکر مأة جلدة و تغریب عام**‘‘ کہ زانی کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ساتھ ساتھ اس کو جلاوطن

بھی کیا جائے گا۔ یہ حدیث ایک واقعہ ظاہرہ سے متعلق ہے۔

اب حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو کوڑے لگائے اور اس کو جلاوطن بھی کیا، لیکن وہ شخص روم میں جا کر مرتد ہو گیا تو انہوں نے قسم کھائی کہ میں آئندہ کسی کو جلاوطن نہیں کروں گا۔

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ غیر راوی ہیں اور حدیث کے راوی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہیں۔ اب غیر راوی کی طرف سے طعن آ گیا کہ انہوں نے قسم کھائی کہ میں آئندہ کسی کو جلاوطن نہیں کروں گا کہ کہیں وہ مرتد نہ ہو جائے۔

تو یہ حدود کا واقعہ عام ہے، تو اس اختلاف کی کوئی نہ کوئی وجہ ہو گی، جو دوسرے دلائل سے واضح ہوتی ہے کہ جلاوطنی کی سزا سیاسۃً تھی۔ شرعی حدود میں داخل نہیں۔ اگر امیر سیاسۃً کسی کو یہ سزا دینا یا نہ دینا چاہے تو اس کو اختیار ہے۔

واقعہ غیر ظاہرہ کی مثال:

اس کی مثال وہی قہقہہ والی حدیث ہے۔ اس حدیث کے راوی زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ ہیں، لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اس کے قائل نہیں۔ اور یہ واقعہ غیر ظاہرہ ہے سب کو اس کا معلوم ہونا لازمی نہیں ہے۔
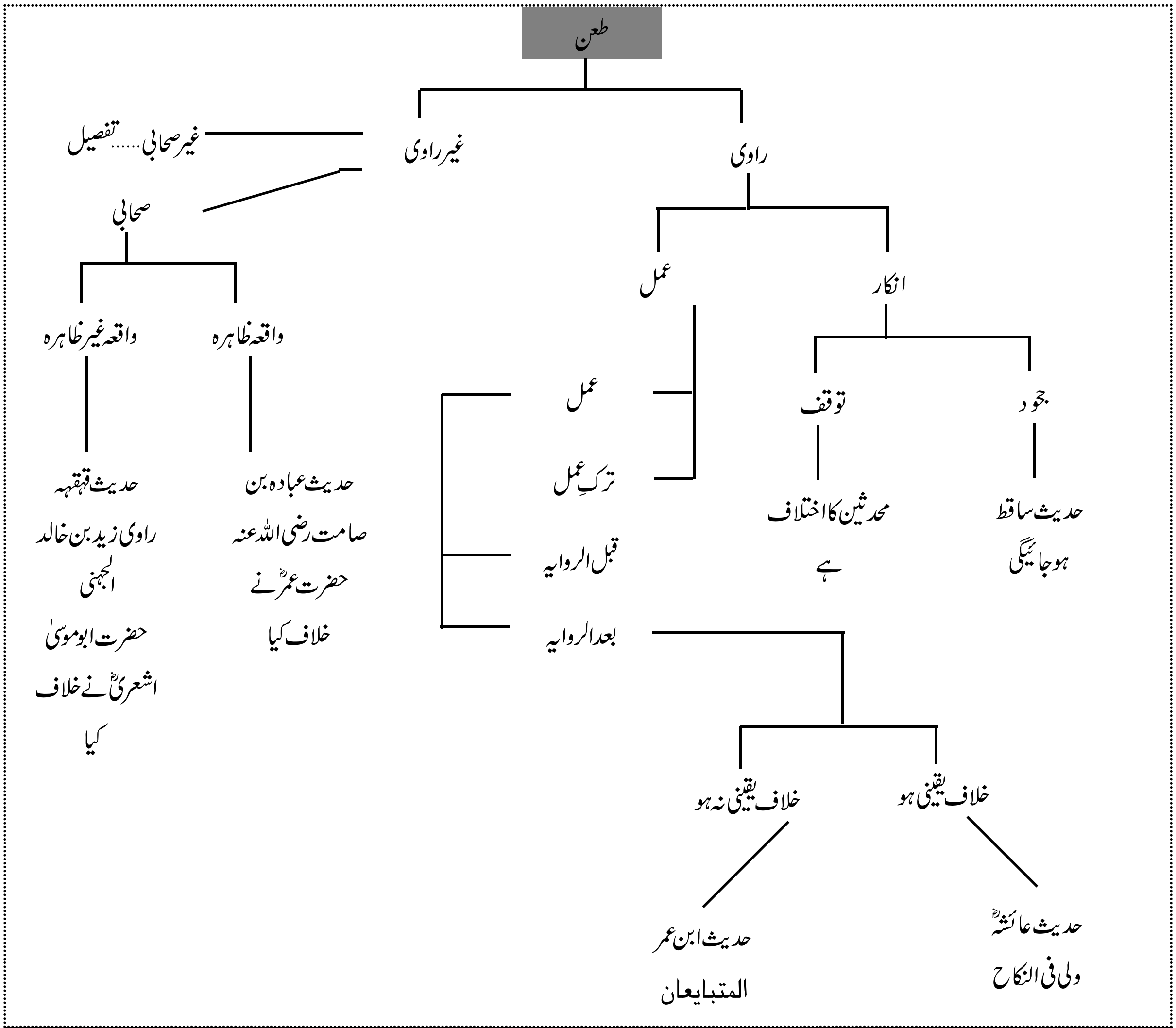
نقشہ ملاحظہ فرمائیں